لوحِ جنوں
ساغر صدیقی
مکتبہ شعر و ادب ۔ سمن آباد ۔ لاہور

لوحِ جنوں

لوحِ جنوں

ساغر صدیقی

مکتبہ شعر و ادب، سمن آباد، لاہور

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

شباب میر کو آیا تھا سو گوار گیا

جب شاہی قباؤں کی خاطر کچھ جسم برہنہ ہو جائیں
اُس وقت غلاموں کو ساغرؔ مختار سمجھنا پڑتا ہے

چلو اَے بُلبلو اِس گلستاں سے
یہاں صیّاد مالی ہو گئے ہیں!

آج رُوٹھے ہوئے ساجن کو بہت یاد کیا
اپنے اُجڑے ہوئے گلشن کو بہت یاد کیا

جب کبھی گردشِ تقدیر نے گھیرا ہے ہمیں
گیسوئے یار کی اُلجھن کو بہت یاد کیا

شمع کی جرأت پہ جلتے ہوئے پروانوں نے
اک ترے شعلۂ دامن کو بہت یاد کیا

جس کے ماتھے پہ نئی صبح کا جھومر ہوگا
ہم نے اس وقت کی دُلہن کو بہت یاد کیا

آج ٹوٹے ہوئے سپنوں کی بہت یاد آئی
آج بیتے ہوئے ساون کو بہت یاد کیا

ہم سرِ طور بھی مایوسِ تجلّی ہی رہے
اُس درِ یار کی چلمن کو بہت یاد کیا

مطمئن ہو ہی گئے دام و قفس میں ساغرؔ
ہم اسیروں نے نشیمن کو بہت یاد کیا

●

خوشا کہ باغِ بہاراں ہے زندگی اپنی
کسی کے غم سے فروزاں ہے زندگی اپنی

بہت دنوں سے پریشاں ہیں آپ کے گیسو
بہت دنوں سے پریشاں ہے زندگی اپنی

چھلک رہے ہیں کئی حسرتوں کے پیمانے
لہو سے دل کے چراغاں ہے زندگی اپنی

غمِ حیات نے ڈالے ہیں ہاتھ بڑھ بڑھ کر
کہ بے وطن کا گریباں ہے زندگی اپنی

ترا جہان ہے کیا ایک آئینہ خانہ
کہ جس میں ششدر و حیراں ہے زندگی اپنی

نہ جانے کون سا لمحہ چُرا کے لے جائے
متاعِ گردشِ دوراں ہے زندگی اپنی

نہ کوئی پھول نہ ساغر نہ ماہتاب نہ تُو
بُجھا ہُوا سا شبستاں ہے زندگی اپنی

●

خون بادل سے برستے دیکھا
پھول کو شاخ پہ ڈستے دیکھا

کتنے بیدار خیالوں کو یہاں
دامِ اخلاص میں پھنستے دیکھا

دِل کا گلشن کہ بیاباں ہی رہا
ایسا اُجڑا کہ نہ بستے دیکھا

کھل گیا جن پہ مسرّت کا بھرم
پھر کبھی ان کو نہ ہنستے دیکھا

اب کہاں اشکِ ندامت ساغرؔ
آستینوں کو ترستے دیکھا

●

جب سے دیکھا پری جمالوں کو
موت سی آ گئی خیالوں کو

دیکھ تشنہ لبی کی بات نہ کر
آگ لگ جائے گی پیالوں کو

پھر اُفق سے کسی نے دیکھا ہے
مسکرا کر خراب حالوں کو

فیض پہنچا ہے بارہا ساقی
تیرے مستوں سے اِن شوالوں کو

دونوں عالم پہ سرفرازی کا
ناز ہے تیرے پائمالوں کو

اِس اندھیروں کے عہد میں ساغرؔ
کیا کرے گا کوئی اُجالوں کو!

●

متاعِ دل سے خالی ہو گئے ہیں

ترے در کے سوالی ہو گئے ہیں

نظر مجروح نظاروں سے دیکھی

حوادث کچھ خیالی ہو گئے ہیں

چلو اے بلبلو اِس گلستاں سے

یہاں صیّاد مالی ہو گئے ہیں!

تمہارے گیسوؤں کی تیرگی سے
اندھیرے بھی جمالی ہو گئے ہیں

ہمارے داغِ دِل کے ترجماں ہیں
ستارے میرؔ و حالیؔ ہو گئے ہیں

ہزاروں ولولے ساغرؔ چمن میں
خزاں کی خشک ڈالی ہو گئے ہیں

●

سوچیے مُفلسی کے بارے میں
صورتِ زندگی کے بارے میں

مشورہ ہو رہا ہے تاروں میں
دیدۂ شبنمی کے بارے میں

آپ سے کچھ ہمیں شکایت ہے
زلف کی برہمی کے بارے میں

لوگ دیوانے ہو ہی جاتے ہیں
سوچ کر آگہی کے بارے میں

چھوڑ رودادِ ساغر و مینا
بات کر تشنگی کے بارے میں

نکلے صدف کی آنکھ سے موتی مرے ہوئے
پھوٹے ہیں چاندنی میں شگوفے جلے ہوئے

ہے اہتمامِ گریہ و ماتم چمن چمن
رکھے ہیں مقتلوں میں جنازے سجے ہوئے

ہر ایک سنگِ میل ہے اب ننگِ رہگذر
ہیں رہبروں کی عقل پہ پتھر پڑے ہوئے

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں
کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

اب میکدے میں بھی نہیں کچھ اہتمامِ کیف
ویراں ہیں شعور تو دِل ہیں بجھے ہوئے

ساغرؔ یہ وارداتِ سخن بھی عجیب ہے
نغمہ طرازِ شوق ہوں لب ہیں سلے ہوئے

●

شمع اُس راہ پر جلی ہے ابھی
رنج کی شب کہاں ڈھلی ہے ابھی

گُل کھلے ہیں تمھاری آہٹ سے
آنکھ مہتاب نے ملی ہے ابھی

دِل کہ جس کو نقیر کہتے ہیں!
ایک اُجڑی ہُوئی گلی ہے ابھی

کاروبارِ جنوں کی گمنامی
شہرتِ عقل سے بھلی ہے ابھی

چاند اُتریں گے رہ گذاروں میں
رسمِ تابندگی چلی ہے ابھی

اب طبیعت بحال ہے ساغر
کچھ ذرا من میں بے کلی ہے ابھی

●

وسعتِ گیسوئے جاناں سے اُلجھ بیٹھے ہیں

صورتِ گردشِ دوراں سے اُلجھ بیٹھے ہیں

مدحتِ بادۂ انگور کی خاطر ساقی

رند اِک صاحبِ ایماں سے اُلجھ بیٹھے ہیں

چند نغمے جو مرے سازِ جنوں نے چھیڑے

مستیٔ چشمِ غزالاں سے اُلجھ بیٹھے ہیں۔

آج گمنامیٔ احساس کا پرچم لے کر

آدمی شہرتِ یزداں سے اُلجھ بیٹھے ہیں

ایسے کچھ لوگ جنھیں صاحبِ اخلاص کہیں

پھر مرے حالِ پریشاں سے اُلجھ بیٹھے ہیں

نکہتیں صحنِ گلستاں سے خبر لائی ہیں

بھول آدابِ گلستاں سے اُلجھ بیٹھے ہیں

کچھ پتنگے کہ عطا ہے جنھیں شعلوں کا مزاج

رونقِ شامِ چراغاں سے اُلجھ بیٹھے ہیں

آزادیوں کے نام پہ رُسوائیاں ملیں
مشکل سے تیرے درد کی پہنائیاں ملیں

ساقی نے جھوٹ بولا ہے فصلِ بہار کا
گلشن میں صرف آپ کی انگڑائیاں ملیں

تجھ کو ملے ہیں قریۂ مہتاب میں گڑھے
مجھ کو تو پتھروں میں بھی رعنائیاں ملیں

ہم نے انھیں کو صورتِ جاناں بنا لیا
دیوارِ آرزو پہ جو پرچھائیاں ملیں

اُن پر نثار محفلِ ہستی کی رونقیں
اے دوست میکدے میں جو تنہائیاں ملیں

ہر تجربے میں ساغرِ مے کا جواز ہے
ہر فلسفے میں زُلف کی گہرائیاں ملیں

●

آلام کی یورش میں بھی خورسند رہے ہیں
نیرنگیٔ حالات کے پابند رہے ہیں

آفاق میں گونجی ہے مری شعلہ نوائی
نالے مرے افلاک کا پیوند رہے ہیں

ڈالی ہیں ترے خاک نشینوں نے کمندیں
ہر چند محلّات کے در بند رہے ہیں

ہر دور میں دیکھا ہے مری فکرِ رسا نے
کچھ لوگ زمانے کے خداوند رہے ہیں

سائنس نہ ملی منزلِ مقصودِ خرد کو
ہاں قافلہ سالارِ جنوں مند رہے ہیں!

●

اس میں شامل دشت و صحرا اور ویرانے کی بات
اہلِ محفل سے جدا ہے تیرے دیوانے کی بات

محتسب ہم بیگناہوں کو نہ دے الزامِ مے
تشنگی میں آگئی ہونٹوں پہ میخانے کی بات

ہاں ابھی بھولی نہیں جورِ خزاں کی داستاں
احتیاطاً ہم نہیں کرتے بہار آنے کی بات

بن گئی ہے سُرخیٔ حُسنِ بہارِ جاوداں !
آگئی زلفِ معنبر کے بکھر جانے کی بات

ہر نفس میں مشتعلہ زن ہیں گرمیاں حالات کی
زندگی ہے اِن دنوں بے موت مر جانے کی بات

مَیکدہ بدلا ہوا ساغر شکستہ حال ہیں
ہر حقیقت بن گئی ہے آج افسانے کی بات

●

مَیں التفاتِ یار کا قائل نہیں ہُوں دوست
سونے کے نرم تار کا قائل نہیں ہُوں دوست

مجھ کو خزاں کی ایک لُٹی رات سے ہے پیار
مَیں رونقِ بہار کا قائل نہیں ہُوں دوست

جس کی جھلک سے ماند ہو اشکوں کی آبرُو
اس موتیوں کے ہار کا قائل نہیں ہُوں دوست

ہر شامِ وصل ہو نئی تمہیدِ آرزو
اتنا بھی انتظار کا قائل نہیں ہوں دوست

دو چار دِن کی بات نہیں زندگی کی بات
دو چار دِن کے پیار کا قائل نہیں ہوں دوست

ساغر بقدرِ ظرف لٹاتا ہوں تقدِ ہوش
ساقی سے مَیں اُدھار کا قائل نہیں ہوں دوست

●

چوٹ کھا کر خود شناس و خود نگر ہو جائیے

کیوں کسی کے عشق میں شوریدہ سر ہو جائیے

اپنے دل کے داغ بھی گو دے اُٹھیں تو کم نہیں

اپنی منزل کے لئے خود راہبر ہو جائیے

چھوڑ دیجے عظمتِ یزداں کی جھوٹی داستاں

آج انساں کی نظر میں معتبر ہو جائیے

آپ بھی دو چار قطرے پی کے میرے جام کے
اہلِ دل اہلِ وفا اہلِ نظر ہو جائیے

صرف طوفاں میں یہی بچنے کی اک تدبیر ہے
جس طرف موجیں اُمڈتی ہوں اُدھر ہو جائیے

پھر ذرا چھلکائیے ساغر مئے دیدار کے
پھر نقابِ رُخ اُلٹ کر جلوہ گر ہو جائیے

●

زندگی رقص میں ہے جھومتی ناگن کی طرح
دِل کے ارمان ہیں بجتی ہوئی جھانجن کی طرح

زلفِ رُخسار پہ بل کھائی ہوئی کیا کہنا!
اِک گھٹا چھائی ہوئی جیت میں ساون کی طرح

بحرِ اُمّید میں جب کوئی سہارا نہ ملا
میں نے ہر موج کو دیکھا ترے دامن کی طرح

جس طرف دیکھئے ٹوٹے ہوئے پیمانے ہیں
اب تو نغمات بھی ہیں نالہ و شیون کی طرح

بارہا گردشِ تقدیر کا عالم دیکھا!
گیسوئے یار کی بے نام سی اُلجھن کی طرح

انقلاباتِ بہاراں ہیں قفس بھی سا عنبر
مَیں نے جلتے ہوئے دیکھا ہے نشیمن کی طرح

●

دُکھ درد کی سوغات ہے دُنیا تری کیا ہے

اشکوں بھری برسات ہے دُنیا تری کیا ہے

کچھ لوگ یہاں نورِ سحر ڈھونڈ رہے ہیں

تاریک سی اک رات ہے دُنیا تری کیا ہے

تقدیر کے چہرے کی شکن دیکھ رہا ہوں

آئینۂ حالات ہے دُنیا تری کیا ہے

پابندِ مشیت ہے تنفّس بھی نظر بھی

اِک جزئیہ لمحات ہے دُنیا تری کیا ہے

مجروح تقدّس ہے تقدّس کی حقیقت

رودادِ خرابات ہے دُنیا تری کیا ہے

ساغر میں چھلکتے ہیں سماوات کے اسرار

ساقی کی کرامات ہے دُنیا تری کیا ہے

●

ان بہاروں پہ گلستاں پہ ہنسی آئی ہے
دِل کے ہر داغِ فروزاں پہ ہنسی آئی ہے

آج پھر جامِ تہی اور گھٹا اُٹھی ہے
آج پھر رحمتِ یزداں پہ ہنسی آئی ہے

آپ کی زلفِ پریشاں کے تصوّر میں ہمیں
بارہا گردشِ دوراں پہ ہنسی آئی ہے

میری بھیگی ہوئی پلکوں کی چھما چھم پہ نہ جا
تیرے ٹوٹے ہوئے پیماں پہ ہنسی آئی ہے

جب کبھی بچھڑا ہوا دوست ملا ہے کوئی
مجھ کو اخلاصِ عزیزاں پہ ہنسی آئی ہے

مجھ کو اِک زہر کا چھلکا ہوا ساغر دے دو
مجھ کو اس دور کے انساں پہ ہنسی آئی ہے

●

منزلِ غم کی فضاؤں سے لپٹ کر رو لوں
تیرے دامن کی ہواؤں سے لپٹ کر رو لوں

جامِ مے پینے سے پہلے مرا جی چاہتا ہے
بکھری زلفوں کی گھٹاؤں سے لپٹ کر رو لوں

زرد غنچوں کی نگاہوں میں نگاہیں ڈالوں
سُرخ پھولوں کی قباؤں سے لپٹ کر رو لوں

آنیوالے ترے رستے میں بچھاؤں آنکھیں
جانے والے ترے پاؤں سے لپٹ کر رولوں

اپنے مجبورِ تقدّس کے سہارے ساغرؔ
دیر و کعبہ کے خداؤں سے لپٹ کر رولوں

●

جل رہا ہے چراغ تنہائی
توسنِ زندگی کہاں آئی

میرے نغموں میں ڈوب جاتی ہے
فیضؔ اور قاسمی کی شہنائی

وہ فنا کی حدود سے گزرا
جس نے ٹھوکر حیات کی کھائی

میں شرارہ نہیں ستارہ ہوں
میں نے ذرّوں کی زلف سلجھائی

دیکھ کر زرد کونپلیں ساغرؔ
موسمِ گُل کی بات یاد آئی

لا اِک خُمِ شراب کہ موسم خراب ہے
کر کوئی انقلاب کہ موسم خراب ہے

زُلفوں کو بیخودی کی رِدا میں لپیٹ لے
ساقی پئے شباب کہ موسم خراب ہے

غنچوں کو اعتبارِ طلوعِ چمن نہیں
رُخ سے اُلٹ نقاب کہ موسم خراب ہے

جام و سبُو کے ہوش ٹھکانے نہیں ذرا
مطرب اُٹھا رُباب کہ موسم خراب ہے

اے جاں کوئی تبسمِ رنگیں کی واردات
پھیکا ہے ماہتاب کہ موسم خراب ہے

●

سایۂ زلفِ بتاں میں بیٹھو
اس پرستش کے جہاں میں بیٹھو

رہ روِ صبحِ یقیں ہونے تک
منزلِ شام گماں میں بیٹھو

ان کے پہلو میں بھی دل ہوتے ہیں
بزمِ آشفتہ سراں میں بیٹھو

لوگ کہتے ہیں شفاعت کیلئے
دو گھڑی بادہ کشاں میں بیٹھو

حسنِ افکار کے جھولے ہیں یہاں
آؤ ساغر کے جہاں میں بیٹھو

●

راہزن آدمی رہنما آدمی
بارہا بن چُکا ہے خدا آدمی

اُس کی مُورتیں پُوجتے پُوجتے
ایک تصویر سی بن گیا آدمی

کھُل گئے جنّتوں کے وہاں زائچے
دو قدم جھوم کر جب چلا آدمی

صبحدم چاند کی رخصتی کا سماں
جس طرح بحر میں ڈوبتا آدمی

زندگی تھا تقاضاءِ شہود و بقا
اور لوحِ مزارِ فنا آدمی

کچھ فرشتوں کی تقدیس کے واسطے
سہ گیا آدمی کی جفا آدمی

گونجتی ہی رہیگی فلک در فلک
ہے مشیّت کی ایسی صدا آدمی

●

کھلتے رہیں گے صحنِ چمن میں ہزار پھول
لیکن کہاں نصیب تمنّا میں چار پھول

شاید یہیں کہیں ہو ترا نقشِ پائے ناز
ہم نے گرا دئے ہیں سرِ راہ گذار پھول

بھونروں کو جستجو ہے تری کنج کنج میں
شاخوں پہ کر رہے ہیں ترا انتظار پھول

آوارگانِ شوق چلو ہم کریں تلاش
وہ کارواں جو چھوڑ گیا ہے غبار پھول

کانٹوں پہ جی لئے کبھی پھولوں پہ مر لیے
اپنی نظر میں ایک ہیں گلشن میں خار پھول

کھولے ہیں اس نے گیسوئے عنبر فشاں ضرور
کچھ حد سے ہو گئے ہیں سوا مشکبار پھول

ہائے شہیدِ ناز کی تربت پہ رونقیں
مدھم سی ایک شمع ہے دو سوگوار پھول

ساغرؔ بہار میں نہ رہی مے کی جستجو!
شبنم میں بھر کے پی گیا اک بادہ خوار پھول

•

خرد بخیر، جنوں کو سلام کرنا ہے
جہانِ عشق میں اب اور کام کرنا ہے

یہ رنگ و بُو کے خزانے بڑے درخشاں ہیں
دل و نگاہ کو بھی لالہ فام کرنا ہے

کتابِ صورت کو نئیں یوں اُٹھانا ہے
کہ ذرّے ذرّے کو مہرِ دوام کرنا ہے

صدائے بوذرؓ و سلمانؓ یہی تھی دنیا میں
مسرتوں کو غریبوں کے نام کرنا ہے

جنہیں خدا کی طرح بولنے کی عادت ہے
انہیں زبانِ بشر میں کلام کرنا ہے

مرے شعور کو حاجت نہیں تکلف کی
تجلّیوں کو نظر کا غلام کرنا ہے

کوئی حقیر سی شے ڈال میرے ساغر میں
کہ زندگی کو برائے عوام کرنا ہے

●

بگڑا جو نقشِ زیست بنا شاہکارِ زیست

ایسے مٹے کہ بن گئے پروردگارِ زیست

کچھ اِس طرح سے زیست کو اپناؤ دوستو

تا حشر موت کو بھی رہے انتظارِ زیست

اے حادثاتِ نو کی صُراحی سے ایک جام

ساقی کو دو، اُترنے لگا ہے خمارِ زیست

ملّاح کو قبول تھی سُولی رقیب کی

منصُورِ زیست کے لئے کافی ہے دارِ زیست

اٹکی ہوئی ہے نوکِ مژہ پہ لہو کی بوند
کانٹوں میں جل رہی ہے عروسِ بہارِ زیست
لائیں غزل کے شہر سے تشبیہ کے چراغ
اے ہم سخن! چلو کہ سجائیں دیارِ زیست
ساغرؔ کی زندگی پہ کوئی تبصرہ نہ کر
اک شمع جل رہی ہے سرِ رہگذارِ زیست

●

ہے فغانِ لالہ و گُل مست نظّاروں کے ساتھ
بُجھ رہی ہے تشنگی پھولوں کی انگاروں کیساتھ

آئے گا شاید عزیزِ مصر بکنے کے لئے
آج خود یُوسف کو دیکھا ہے خریداروں کیساتھ

ہر قدم پہ زندگی کی آبرُو خطرے میں ہے
ظلمتوں کے قافلے دیکھے ہیں مہ پاروں کیساتھ

مُفلسوں پر ہنس رہی ہیں ظلمتیں ابلیس کی
اور خدا کی رحمتیں منسوب زرداروں کیساتھ

سر برہنہ عابدہ کمخواب و ریشم کے بغیر
ناچتی ہے عاصمہ سکّوں کی جھنکاروں کیساتھ

نغمۂ بلبل نہیں تو نالۂ دل ہی سہی
جلتے بُجھتے ہیں بیاباں بھی چمن زاروں کیساتھ

●

فریاد کے تقاضے ہیں نغمۂ سخن میں
الفاظ سو گئے ہیں کاغذ کے پیرہن میں

ہر آن ڈس رہی ہیں ماضی کی تلخ یادیں
محسوس کر رہا ہوں بے چارگی وطن میں

ٹکڑا کوئی عطا ہو احرامِ بندگی کا
سوراخ پڑ گئے ہیں اخلاص کے کفن میں

اے پاسبانِ گلشن تجھ کو خبر نہیں ہے
شعلے بھڑک رہے ہیں پھولوں کی انجمن میں

اے یار تیرے غم سے فرصت اگر ملی تو
تبدیلیاں کرونگا اِس عالمِ کہن میں

دیکھا ہے میں نے دِل کی بیتابیوں کا منظر
اک ٹوٹتی کلی میں اِک ڈوبتی کرن میں

اِس درجہ درد افشاں غنچوں کی داستاں تھی
کانٹے سے چُبھ رہے ہیں احساس کے بدن میں

شاخوں پہ اُنکے ساغر گیسو مہک رہے ہیں
ترتیب پا رہی ہیں رنگینیاں چمن میں

●

ہے دُعا یاد مگر حرفِ دُعا یاد نہیں

میرے نغمات کو اندازِ نوا یاد نہیں

ہم نے جن کیلئے راہوں میں بچھایا تھا لہو

ہم سے کہتے ہیں وہی عہدِ وفا یاد نہیں

زندگی جبرِ مسلسل کی طرح کاٹی ہے

جانے کس جُرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

میں نے پلکوں سے درِ یار پہ دستک دی ہے
میں وہ سائل ہوں جسے کوئی صدا یاد نہیں

کیسے بھر آئیں سرِ شام کسی کی آنکھیں
کیسے تھرّائی چراغوں کی ضیاء یاد نہیں

صرف دھندلائے ستاروں کی چمک دیکھی ہے
کب ہوا کون ہوا مجھ سے خفا یاد نہیں

آؤ اِک سجدہ کریں عالمِ مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغرؔ کو خدا یاد نہیں

●

چھپائے دل میں غموں کا جہان بیٹھے ہیں
تمھاری بزم میں ہم بے زبان بیٹھے ہیں

یہ اور بات کہ منزل پہ ہم پہنچ نہ سکے
مگر یہ کم ہے کہ راہوں کو چھان بیٹھے ہیں

فغاں ہے، درد ہے، سوز و فراق و داغ الم
ابھی تو گھر میں بہت مہربان بیٹھے ہیں

اب اور گردشِ تقدیر کیا ستائے گی
لُٹا کے عشق میں نام و نشان بیٹھے ہیں

وہ ایک لفظ محبّت ہی دل کا دُشمن ہے
جسے شریعتِ احساس مان بیٹھے ہیں

ہے میکدے کی بہاروں سے دوستی ساغرؔ
ورائے حدِّ یقین و گمان بیٹھے ہیں

●

نہ خوفِ خدا ہے نہ خوفِ خدائی
بشر دے رہا ہے بشر کی دُہائی

نہ جانے کہاں کھو گئی ہے مروّت
بڑی دُور تک تو مرے ساتھ آئی

نگاہوں کے انداز بدلے گئے ہیں
وہی ہے مگر رسمِ جلوہ نمائی

کسی کے جھکتے ہوئے گیسوؤں سے
شگوفوں نے سیکھی ہے شعلہ نوائی

قضائے مقدّر بدل دی ہے ساغر
نظر جب کبھی زندگی سے ملائی

بھنور آنے کو ہے اَے اہلِ کشتی ناخدا چُن لیں
چٹانوں سے جو ٹکرا لے وُہ ساحل آشنا چُن لیں

زمانہ کہہ رہا ہے میں نئی کروٹ بدلتا ہوں
انوکھی منزلیں ہیں کچھ نرالے رہنما چُن لیں

اگر شمس و قمر کی روشنی پر کچھ اجارہ ہے
کسی بیدار ماتھے سے کوئی تارِ ضیا چُن لیں

یقیناً اب عوامی عدل کی زنجیر چھنکے گی
یہ بہتر ہے کہ مُجرم خود ہی جُرموں کی سزا چُن لیں

اسیری میں کریں عشقِ گُلستاں کی نگہبانی
قفس میں بیٹھ کر طائر ذرا رنگِ فضا چُن لیں

بگولے نکہتِ گُل کے نمائندے کہاں ساغرؔ
سُنیں جو بات پھولوں کی وہ ہمرازِ صبا چُن لیں

کچھ لوگ بچھا کر کانٹوں کو گلشن کی توقّع رکھتے ہیں!
شعلوں کو ہوائیں دے دے کر ساون کی توقّع رکھتے ہیں

ماحول کے تپتے صحرا سے حالات کی اُجڑی شاخوں سے
ہم اہلِ جنوں پھولوں سے بھرے دامن کی توقّع رکھتے ہیں

جب سارا اثاثہ لُٹ جائے تسکینِ سفر ہو جاتی ہے
ہم راہ نماؤں کے بدلے رہزن کی توقّع رکھتے ہیں

سنگین چٹانوں سے دل کے دُکھنے کی شکایت کرتے ہیں
ظلمت کے نگر میں نُورانی آنگن کی توقّع رکھتے ہیں

وُہ گیسُوئے جاناں ہوں ساغر یا گردشِ دوراں کے سائے
اے وائے مقدّر دوتوں سے اُلجھن کی توقّع رکھتے ہیں

●

احتیاطاً فقر کا ہر مرحلہ کٹتا رہا
اتفاقاً آپ کی خیرات کا دھڑکا رہا

آج پھر شبنم کے قطروں نے بجایا جلترنگ
آج پھر دامن مری آواز کا بھیگا رہا

کوئی آیا ہے نہ آئے گا دلِ ناداں کبھی
میرے دروازے کا پردہ تو سدا ہلتا رہا

رات کی رانی کا جھونکا تھا کسی کی یاد بھی
دیر تک آنگن مرے احساس کا مہکا رہا

تیز رو چلتے ہیں ساغرؔ قافلے اس نام سے
رہنماؤں سے ہمیشہ راہزن اچھا رہا

●

میں کہ آشفتہ و رسوا سرِ بازار ہُوا
چاک داماں کا تماشا سرِ بازار ہُوا

تیری عصمت کی تجارت ہیں دیوار سہی
میری تقدیر کا سودا سرِ بازار ہُوا

پھر کوئی اہلِ جنوں دار پہ چڑھ جائیگا
پھر ترے حُسن کا چرچا سرِ بازار ہُوا

ہم نے رکھا ہے اُسے دِل کے مکاں میں برسوں
جو کبھی ہم سے شناسا سرِ بازار ہُوا

مرحلے دید کے دشوار تھے لیکن ساغرؔ
منزلِ طُور کا جلوہ سرِ بازار ہُوا

•

زندگی کا رنگ دینا ہے تری بیداد کو
سرخیِ خونِ تمنّا چاہیئے فرہاد کو

نامکمّل ہیں ابھی مظلوم کی رسوائیاں
پھر ذرا ترتیب دیجے ظلم کی روداد کو

یہ حسیں پلکوں کے جھولے اور اشکِ آرزو
مسکرا کر پالتا ہوں درد کی اولاد کو

دام کے حلقے لگائے تھے وہیں صیّاد نے
صید نے معصوم سمجھا تھا جہاں صیّاد کو

میرے خونِ آرزو سے زندگی کی آبرو
مَیں نے رنگیں کر دیا ہے عالمِ ایجاد کو

جستجو پھر بھی ترے غم کی رہی احساس کو
در بدر لیکر پھرا ہوں اِس دلِ ناشاد کو

راہرو ساغرؔ کِسی سے دِل لگاتے ہیں کہاں
منزلوں پہ چھوڑ دینگے راستے کی یاد کو

•

صُراحی جام سے ٹکرائیے برسات کے دِن ہیں
حدیثِ زندگی دُہرائیے برسات کے دِن ہیں

سفینہ لے چلا ہے کس مخالف سمت کو ظالم
ذرا ملّاح کو سمجھائیے برسات کے دِن ہیں

کسی پُر نور تہمت کی ضرورت ہے گھٹاؤں کو
کہیں سے مہ وشوں کو لائیے برسات کے دن ہیں

طبیعت گردشِ دوراں کی گھبرائی ہوئی سی ہے
پریشاں زُلف کو سُلجھائیے برسات کے دِن ہیں

بہاریں اِن دِنوں دشتِ بیاباں میں بھی آتی ہیں
فقیروں پر کرم فرمائیے برسات کے دِن ہیں

یہ موسم شورشِ جذبات کا مخصوص موسم ہے
دلِ نادان کو بہلائیے برسات کے دِن ہیں

سہانے آنچلوں کے ساز پر اشعار ساغرؔ کے
کسی بے چین دُھن میں گائیے برسات کے دِن ہیں

●

بات پھولوں کی سُنا کرتے تھے
ہم کبھی شعر کہا کرتے تھے

مشعلیں لے کے تمہارے غم کی
ہم اندھیروں میں چلا کرتے تھے

اب کہاں ایسی طبیعت والے
چوٹ کھا کر جو دُعا کرتے تھے

ترکِ احساسِ محبّت مشکل
ہاں مگر اہلِ وفا کرتے تھے

بکھری بکھری ہوئی زلفوں والے
قافلے روک لیا کرتے تھے

آج گلشن میں شگوفے ساغرؔ
شکوۂ بادِ صبا کرتے تھے

●

اے دلِ بے قرار چُپ ہو جا
جا چکی ہے بہار چُپ ہو جا

اب نہ آئیں گے رُوٹھنے والے
دیدۂ اشکبار چُپ ہو جا

جا چُکا کاروانِ لالہ و گُل
اُڑ رہا ہے غُبار چُپ ہو جا

چھوٹ جاتی ہے پھول سے خوشبو
رُوٹھ جاتے ہیں یار چُپ ہو جا

ہم فقیروں کا اِس زمانے میں
کون ہے غم گُسار چُپ ہو جا

حادثوں کی نہ آنکھ کھُل جائے
حسرتِ سوگوار چُپ ہو جا

گیت کی ضرب سے بھی اے ساغرؔ
ٹوٹ جاتے ہیں تار چُپ ہو جا

●

اِس درجہ عشق موجبِ رُسوائی بن گیا
مَیں آپ اپنے گھر کا تماشائی بن گیا

دیر و حرم کی راہ سے دِل بچ گیا مگر
تیری گلی کے موڑ پہ سودائی بن گیا

بزمِ وفا میں آپ سے اِک پل کا سامنا
یاد آ گیا تو عہدِ شناسائی بن گیا

بے ساختہ بکھر گئی جلووں کی کائنات
آئینہ ٹوٹ کر تری انگڑائی بن گیا!

دیکھی جو رقص کرتی ہوئی موجِ زندگی
میرا خیال وقت کی شہنائی بن گیا

●

رودادِ محبت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے
دو دن کی مسرت کیا کہئے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

جب جام دیا تھا ساقی نے جب دور چلا تھا محفل میں
اک ہوش کی ساعت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

اب وقت کے نازک ہونٹوں پر مجروح ترنم رقصاں ہے
بیدادِ مشیت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

احساس کے میخانے میں کہاں اب فکر و نظر کی قندیلیں
آلام کی شدّت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

کچھ حال کے اندھے ساتھی تھے کچھ ماضی کے عیّار سجن
احباب کی چاہت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

کانٹوں سے بھرا ہے دامنِ دل شبنم سے سلگتی ہیں پلکیں
پھولوں کی سخاوت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

اب اپنی حقیقت بھی ساغرؔ بے ربط کہانی لگتی ہے
دنیا کی حقیقت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

●

اللہ رے اس چشمِ عنایات کا جادو
تا عمر رہا حُسنِ ملاقات کا جادو

معلوم نہ تھا سحر گزیدانِ وفا کو
جگنوں کے پسِ پردہ ہے ظلمات کا جادو

آتا ہو جسے اسمِ محبّت کا وظیفہ
چلتا نہیں اُس پر غمِ حالات کا جادو

بربط کا جگر چیر گئی تار کی فریاد
مطرب پہ اثر کر گیا نغمات کا جادو

آنکھوں میں رواں کوثر و تسنیم کے منتر
زلفوں میں نہاں شامِ خرابات کا جادو

لہرائے وہ گیسو کہ اٹھیں غم کی گھٹائیں
اشکوں کی جھڑی بن گئی برسات کا جادو

ہر شعر میں ہے ساغر و مینا کا تجلّی
یوں ہم نے جگایا تو ہے حالات کا جادو

●

یاد آ کے رہ گئے ہیں زمانے وفاؤں کے
شعلے جگا کے چل دئے جھونکے ہواؤں کے

ہر اک قدم پہ تلخئ دوراں کی دھوپ تھی
تھے ہم بھی اس گلی میں طلبگار چھاؤں کے

کرتے رہے جو چاند ستاروں کی رہبری
کچھ لوگ منتظر ہیں انھیں رہنماؤں کے

ہر ذہن میں پڑے ہیں تری زُلف کے بھنوَر
ہر دل کی سرزمیں پہ نشاں تیرے پاؤں کے

بے چارگیٔ زیست کا دامن نہ بھر سکا
ہم نے لُٹا دیئے ہیں خزانے دُعاؤں کے

تجدیدِ ذوقِ ساغر و مینا کی بات کر
بدلے ہوئے ہیں رنگ چمن کی فضاؤں کے

●

اے دوست یہاں ویرانوں کو گلزار سمجھنا پڑتا ہے

کچھ اونچی نیچی راہوں کو ہموار سمجھنا پڑتا ہے

احساس کے اُلٹے پاؤں سے جب چلتے چلتے تھک جائیں

تو راہگذر کو اے راہی دیوار سمجھنا پڑتا ہے

مجروح معیشت کے ہاتھوں انسان کا اب یہ عالم ہے

ہر زخم لگانے والے کو غمخوار سمجھنا پڑتا ہے

جب شاہی قباؤں کی خاطر کچھ جسم برہنہ ہو جائیں

اُس وقت غلاموں کو ساغرؔ مختار سمجھنا پڑتا ہے

●

نکلے صدف کی آنکھ سے موتی مرے ہوئے
پھولوں کے دامنوں میں ہیں کانٹے چھپے ہوئے

ہے اہتمامِ گریہ و ماتم چمن چمن
رکھّے ہیں مقتلوں میں جنازے سجے ہوئے

ہر ایک سنگ میل ہے اب ننگِ رہ گذر
ہیں رہبروں کی عقل پہ پتّھر پڑے ہوئے

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں
کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

اب میکدے میں بھی نہیں کچھ اہتمامِ کیف
ویراں ہیں شعور تو دِل ہیں بجھے ہوئے

ساغرؔ یہ وارداتِ سخن بھی عجیب ہے
نغمہ طرازِ شوق ہوں لب ہیں سلے ہوئے

●

شراب ناب کے شیشے کا کاگ کھولا ہے
گرفتِ ساز سے ساقی نے راگ کھولا ہے

یہ کون بام پہ آیا ہے زُلف لہرا کر
یہ کس نے بام پہ آکر سہاگ کھولا ہے

یہ فصلِ شوق یہ بے نام آرزُو کا خیال
یہ کس نے زیست کے سینے پہ ناگ کھولا ہے

جہاں شعور کوئی مشورہ نہیں دیتا
وہاں حیات کے جوگی نے تیاگ کھولا ہے

ہمیں سے حُسنِ گلستاں ہے دِلستاں ساغر
ہمیں نے حُسنِ گلستاں کا بھاگ کھولا ہے

●

دستور یہاں بھی گونگے ہیں فرمان یہاں بھی اندھے ہیں
اے دوست خُدا کا نام نہ لے ایمان یہاں بھی اندھے ہیں

تقدیر کے کالے کمبل میں عظمت کے فسانے لپٹے ہیں
مضمون یہاں بھی بہرے ہیں عنوان یہاں بھی اندھے ہیں

زردار توقّع رکھتا ہے نادار کی گاڑھی محنت پر
مزدُور یہاں بھی دیوانے ذیشان یہاں بھی اندھے ہیں

کچھ لوگ بھروسہ کرتے ہیں تسبیح کے چلتے دانوں پر
بےچین یہاں یزداں کا جنوں انسان یہاں بھی اندھے ہیں

بے نام جفا کی راہوں پر کچھ خاک سی اُڑتی دیکھی ہے
حیران ہیں دلوں کے آئینے نادان یہاں بھی اندھے ہیں

بے رنگ شفق سی ڈھلتی ہے بے نور سویرے ہوتے ہیں
شاعر کا تصور بھوکا ہے سلطان یہاں بھی اندھے ہیں

آہن کی سُرخ تال پہ ہم رقص کر گئے
تقدیر تیری چال پہ ہم رقص کر گئے

پنچھی بنے تو رفعتِ افلاک پر اُڑے
اہلِ زمیں کے حال پہ ہم رقص کر گئے

کانٹوں سے احتجاج کیا ہے کچھ اِس طرح
گلشن کی ڈال ڈال پہ ہم رقص کر گئے

واعظ فریبِ شوق نے ہم کو بھلا لیا
فردوس کے خیال پہ ہم رقص کر گئے

ہر اعتبارِ حُسنِ نظر سے گذر گئے
ہر حلقہ ہائے جال پہ ہم رقص کر گئے

مانگا بھی کیا تو قطرۂ چشمِ تصرّفات
ساغر ترے سوال پہ ہم رقص کر گئے

●

تری دُنیا میں یارب زیست کے سامان جلتے ہیں
فریبِ زندگی کی آگ میں انسان جلتے ہیں

دِلوں میں عظمتِ توحید کے دِیپک فسُردہ ہیں
جبینوں پر ریا و کبر کے فرمان جلتے ہیں

ہوس کی باریابی ہے خردمندوں کی محفل میں
روپہلی ٹکلیوں کی اوٹ میں ایمان جلتے ہیں

حوادث رقص فرما ہیں قیامت مسکراتی ہے
سُنا ہے ناخُدا کے نام سے طُوفان جلتے ہیں

شگوفے جھولتے ہیں اِس چمن میں بھوک کے جُھولے
بہاروں میں نشیمن تو بہر عنوان جلتے ہیں

کہیں پازیب کی چھن چھن میں مجبوری تڑپتی ہے
ریا دم توڑ دیتی ہے، سُنہرے دان جلتے ہیں

منادِ جشنِ مے نوشی، بکھیرو زُلف مے خانہ
عبادت سے تو ساغرؔ دہر کے شیطان جلتے ہیں

زہرِ قاتل ہے آبگینوں میں　　سانپ پلتے ہیں آستینوں میں

چند قطرے ہیں خونِ سائل کے　　اب شہنشاہ کے خزینوں میں

خیر ہو! آسماں ستاروں کی　　جگمگائے ہیں داغ سینوں میں

انقلابِ حیات کیا کہیے　　آدمی ڈھل گئے مشینوں میں

میرے نغموں کا جی نہیں لگتا　　ماہ پاروں میں مہ جبینوں میں

جاؤ اہلِ خرد کی محفل میں　　کیا کروگے جنوں نشینوں میں

موج ساحل کو بڑھ کے چوم آئی
ہم تڑپتے رہے سفینوں میں

کچھ فرشتوں کا نام انساں ہے
میرے احساس کے قرینوں میں

اب شراروں کی فصل ہے ساغرؔ
رنگ اُگتے تھے جن زمینوں میں

ہماری مطبوعات

اپنی خفیہ قوتوں کو یوگا سے جگائیے
جوڈو کراٹے باکسنگ اور کنگفو کیسے سیکھیں
جوڈو کراٹے جمجتو اور باکسنگ کے ساتھ
مکمل جوڈو کراٹے باکسنگ کنگفو اور باکسنگ
جدید جوڈو
عملی یوگا
یوگا اور صحت
یوگا ٹائیم
ورزش اور حسن
یوگا آسن
جوڈو اپنی حفاظت
یوگا اور جنس
یوگا کے کرشمے
میڈیکل سیکس گائیڈ

یوگا سے بیماریوں کا علا
جڑی بوٹیوں سے علاج
پھلوں سے علاج
سبزیوں سے علاج
فطری علاج
ہماری غذا
جڑی بوٹیوں کے خواص
ہپناٹزم کے کرشمے
یوگا مردوں کے لئے
یوگا عورتوں کے لئے
یوگا گائیڈ
جدید یوگا
مکمل یوگا
یوگا اور حسن

۲۵
مکتبہ شعر و ادب ، سمن آباد ، لاہور